DOI: https://doi.org/10.52015/daryaft.2022.v14-i01.207

Daryaft

Vol. 14 Issue No. 1 (June 2022)

Journal Home Page: http://daryaft.numl.edu.pk/index.php/daryaft

E ISSN:2616-6038, P ISSN:1814-2885

Resisting Behavior of Modern Western Education in Awad Punch

Irsa Kokab [1]& Dr. Humaira Ishfaq[2]

[1.] Scholar Ph. D Urdu Department, International Islamic University, Islamabad.

[2.] HoD Urdu Department, International Islamic University, Islamabad

ABSTRACT

Article History:

Received: February 10, 2022
Revised: April 02, 2022
Accepted: May 10, 2022
Available Online: June 30, 2022

Keywords:
Resisting Behaviour, Awad punch, eastern education, modern western education, colonial society, Urdu literature, Ali gahar movement.

Funding:
This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Creating literature is in itself a resistance process. Resistance literature is anti-oppression and antiexploitation literature. The period in which Urdu literature began is a period of political, social and cultural decline. This decline began at the beginning of the eighteenth century. The year 1857 is a focal point in the history of political decline, and the prose of Awad Panch is a mirror of the injustice, oppression, violence, and barbarism that took place after 1857. The most widely discussed and criticized subject of Awad Punch magazine in its more or less forty years of life was Western education and culture and probably the activities of Sir Syed movement and its comrades in this regard. Be the target. An important and significant achievement of the Awad Punch is its resistance against this colonial society.

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

مجلہ اودھ پنچ میں جدید مغربی تعلیم پر مزاحمتی رویہ

ارسہ کوکب
پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر حمیرا اشفاق
صدر شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی ، اسلام آباد

اردو زبان میں لفظ "مزاحمت" عربی سے آیا ہے۔ یہ لفظ عربی لفظ "زحم" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ٹکرانا اور بھیڑ کرنے والے لوگوں کے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ میں اس سے مراد روک، تعرض، روک ٹوک، اٹکاؤ، ممانعت لیا گیا ہے۔ (۱) فیروز اللغات میں مزاحمت کے معنی روک، تعرض اور ممانعت کے درج کیے گیے ہیں (۲) علمی اردو لغت میں مزاحمت کے مطالب میں روک، ممانعت، تعرض شامل ہیں۔ (۳) جواہر اللغات میں مزاحمت کے معانی رکاوٹ، ممانعت، روک ٹوک اور اٹکاؤ کے ہیں۔ (۴) وارث سرہندی لفظ "مزاحمت" کے مترادفات ممانعت، مدافعت، خلل اندازی، تعرض رخنہ اندازی، روک، رکاوٹ اور کھنڈت بتاتے ہیں۔ (۵)

اسی طرح انگریزی لفظ Resist کے مترادف الفاظ میں combat، conflict، antagonize، withstand، Fight، contest، oppose اور conflict شامل ہیں۔ (۶) جن کے معانی و مفاہیم اردو میں مزاحمت کرنا کے ہیں۔ انگریزی لغت میں مزاحمت سے مراد (مادی قوت کا) عمل کرنا یا روکنے کی طاقت، مخالفت یا حائل ہونے کی کوشش کرنا، جیسے دشمن کی طاقت کو آسان ترین طریقہ سے توڑ دینا یا کم از کم ایک سمت میں مزاحمت، جس سمت میں قوت زیادہ موثر ہو۔ (۷)

ادب تخلیق کرنا بذات خود ایک مزاحمتی عمل ہے۔ ادب، ایک وسیع و عریض دریا کی طرح ہے کہ جو اپنے گھاٹ سے بہتا ہوا راستہ بناتا سمندر میں جاملتا ہے۔ اس سارے راستے میں ہر مشکل کو زیر کرتا، ہر سنگ راہ کو نابود کرتا اور منزل کی جانب پہنچنے والے ہر اثبات کی ہمراہی کرتا ہے۔ ادب ہمارے معاشرے کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ ہر دور کا ادب اپنے دور کی روایات کا ترجمان ہوتا ہے اور اس دور میں جنم لینے والے سیاسی، تہذیبی، معاشرتی، معاشی فکری اور اقتصادی مسائل و معاملات کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔ ادب کا سماج سے یہ مضبوط رشتہ ہی اس کی بقا کا ضامن ہے۔

مزاحمتی ادب جبر و استحصال مخالف ادب ہوتا ہے۔ اردو ادب کا آغاز جس دور میں ہوا وہ سیاسی انحطاط اور معاشرتی و تہذیبی زوال کا عہد تھا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز سے اس زوال کی ابتدا ہو گئی تھی۔ سیاسی زوال کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء ایک مرکزی نقطہ ہے اور اودھ پنچ کی نثر ۱۸۵۷ء کے بعد رقم ہونے والی ناانصافی، ظلم، تشدد و بربریت یا جبر کی آئینہ دار ہے۔ غدر کے

بعد ہندوستان بیرونی مداخلت اور تسلط کے شکنجہ میں پورے طور سے کسا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی قوم خصوصیت کے ساتھ اپنی شامت اعمال کا نتیجہ بھگت رہی ہے۔ خود غرضی وغداری نفس پرستی اور عیش پرستی کی گرم بازاری ہے۔ اس کے مقابلہ میں برطانیہ کا نقش ہر دل پر بیٹھا ہوا ہے۔ اب مغرب کا جادو ساری قوم پر چل گیا۔ علم و فضل کا معیار کمال یہ پایا کہ انگریزی زبان آجائے تلفظ انگریزوں کا سا ہو جائے اور انگریزی علوم سے واقفیت ہو جائے، تہذیب و شائستگی کی معراج یہ ٹھہری کہ انگریزی کھانا کھایا جائے، لباس انگریزی پہنا جائے اور انگریزی تقلید میں خاندان مشترکہ کے وجود کو ذلیل سمجھ کر ضعیف والدین اور دوسرے اعزہ سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ شرافت و عزت کا منتہائے خیال یہ قائم ہوا کہ ہر ممکن ذریعہ سے انگریزی عہدے حاصل کئے جائیں۔ عقل و دانش کا مفہوم یہ قرار پایا کہ انگریزی مصنف کے قول پر بے چوں چرا ایمان لایا جائے اور اپنے علوم و فنون، شعائر و رسوم، عقائد و خیالات کو یکسر ادھم کا لقب دے کر انگریزیت کے صنم دلربا کے قدموں پر نثار کر دیا جائے۔ مجلہ اودھ پنچ نے اپنی کم و بیش چالیس سالہ زندگی میں جس موضوع کا سب سے زیادہ برتا اور جس کو سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا وہ انگریزی تعلیم اور انگریزی تہذیب و تمدن تھی اور غالباً اسی ضمن میں سرسید تحریک اور ان کے رفقا کی سرگرمیاں بھی اودھ پنچ کا نشانہ بنیں۔ اودھ پنچ کا اہم کارنامہ اس نو آبادیاتی معاشرے کے خلاف مزاحمتی کردار ہے۔

اودھ پنچ کا اجرا ۱۸۷۷ء میں ہوا۔ یہ ایک مزاحیہ جریدہ تھا۔ اس کے مدیر منشی سجاد حسین (۱۹۱۵ء۔۱۸۵۶ء) تھے۔ جو خود بھی مزاح نگار تھے۔ بلکہ اودھ پنچ کے لکھاریوں میں سب سے بسیار نویس وہی تھے اور اودھ پنچ کے شذرات، اداریوں اور مضامین کا خاصا بڑا حصہ انھی کے قلم کا رہین منت ہوتا تھا۔(۸) منشی صاحب علی گڑھ کی تحریک اور سرسید (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) کی پالیسی کے اول روز سے مخالف تھے، نظام معاشرت میں قدامت پرستی کے قائل اور مغربی تہذیب کے دشمن تھے۔ ۱۸۸۷ء میں نیشنل کانگرس میں شریک ہوئے۔ اودھ پنچ بظاہر تو مزاحیہ جریدہ تھا لیکن سنجیدہ اور سماجی مسائل پر اس کا اپنا ایک نقطہ نظر تھا جسے وہ طنز و مزاح کے پیرائے میں ظاہر کرتا رہتا تھا مزاحمت اور مصلحت سے وہ بلند تھا، جس بات کو سچ سمجھتا تھا وہی لکھتا تھا ان کی ایک سوچی سمجھی پالیسی تھی جس پر وہ مستقل مزاجی سے کاربند رہا۔ اس پالیسی کے نمایاں نکات میں سے ایک جدید مغربی تعلیم اور سرسید کی مخالفت تھی۔

۱۸۵۷ء کے غدر نے ہندوستانیوں خاص کر مسلمانوں کو اور بھی زیادہ پست کر دیا تھا۔ انھیں تباہی کے اس اندھیرے غار میں دھکیل دیا جہاں مایوسی اور اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا۔ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی زندگی بالکل تباہ و برباد ہو چکی تھی اور انگریزوں کا ہندوستانیوں پر مستقل قبضہ ہو چکا تھا۔ انگریزوں نے غدر کے بعد مسلمانوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ اس لئے بنایا تھا کیوں کہ انھوں نے ہندوستان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہی چھینا تھا۔

سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی قومی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ان کی سماجی، مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی اصلاح کا جو بیڑہ اٹھایا علی گڑھ تحریک اس کی عملی صورت تھی۔ سرسید نے اعلیٰ اور جدید تعلیم ہی کو قوم کے

مرض کا اصلی علاج قرار دیا۔ کیوں کہ سر سید غدر سے پہلے کے ہندوستانی سماج سے بھی واقف تھے اور مغربی اثرات کے ساتھ جدید دور کے گہرے نقوش بھی دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر غدر کے بعد کی تباہیوں پر بھی تھی اور وہ مغرب کی ترقی اور اس کی لائی ہوئی برکتوں سے بھی آگاہ تھے۔ وہ انگریزی سامراج کی مصلحت اندیشیوں سے بھی واقف تھے۔

ان حالات کے نتیجہ میں انھوں نے ایک ایسی تحریک کی بنیاد ڈالی جس نے انیسویں صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کو مستقبل کی طرف نئی روشنی دکھائی۔ ان کی سماجی اور تاریخی حیثیت متعین کی۔ یہ ایک ایسی ہمہ گیر تحریک تھی کہ جس نے دورِ بیداری میں آگے بڑھنا اور وقت کے تقاضوں کو پورا کرنا سکھایا۔ اس تحریک نے مسلمانوں کے واسطے آئینِ نو کی روشنی کے لیے ان کی ذہنی اور سماجی زندگی کے تمام دریچے کھول دیے۔ اس نے تہذیب و تعلیم کے ہر گوشے میں مغرب اور جدید تعلیم سے مستفید ہونا، جدید کی خوبیوں کو قدیم کے حس میں سمونا سکھایا۔ کیوں کہ انگریزوں کے اقتدار کے بعد مسلمانوں میں آگے بڑھنے کی ہمت اور صلاحیت باقی نہیں رہی تھی بلکہ یہ لوگ آگے بڑھنے سے بدکتے تھے اور پیچھے پلٹنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ لیکن پھر بھی ان کے دلوں میں ماضی کی قدیم عظمت ان کی زندگی کا ایک قدیم سرمایہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے لیے یہ لوگ اپنے ماضی پر ہی ناز کرتے رہتے تھے لیکن اس تحریک نے قدیم بندھنوں کو توڑ کر مغربی اثرات کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ نئی تعلیم اور اس کے فوائد کو حاصل کرنے کی ترغیب دی، نیز عقلیت کی بنا پر مذہب کو سمجھنے کی کوشش کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ یہ وہ تحریک تھی جس نے پہلی بار شمال مغربی ہندوستان میں نئے مغربی علوم و سائنس کا چرچا عام کیا۔ انگریزی تعلیم کی ضرورت واہمیت سے لوگوں کو خاص کر مسلمانوں کو آگاہ کیا، اس تحریک نے مسلمانوں پر خصوصی توجہ اس لیے دی تھی کہ مسلمان اس وقت سب سے زیادہ پسماندگی کی حالت میں مبتلا تھے۔

۱۸۵۷ء کی ناکامی نے سر سید کو اس نتیجہ پر پہنچایا کہ ہندوستانیوں کے لیے ایک ایسی درسگاہ قائم کرنی چاہیے جہاں تمام مغربی علوم اور انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی جائے اور مفید مشرقی علوم بھی سکھائے جاسکیں۔ جہاں تعلیم ہی نہیں بلکہ ذہنی واخلاقی تربیت اور محبت و اخوت کا سبق بھی دیا جاسکے۔ سر سید نے تمام قدیم رسم ورواج اور ان علوم پر بھی کھل کر تنقید کی جنھوں نے مسلمانوں کو بے حس، بے عمل بنا دیا تھا۔ انھوں نے طرح طرح سے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اپنے اندر نئے زمانے کے تقاضوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرو، لکیر کے فقیر بن کر مت بیٹھو۔ اس طرح سر سید نے علم کے پرانے تصور کو رد کیا، ان کے ذہن میں علم قومی ترقی کا راستہ اور معاشی بہبود کا ایک ذریعہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ علم ایک ذہنی عیاشی نہ ہو، بلکہ سماج کی بہتری اس کا نصب العین اور مطمع نظر ہو۔ قدیم طریقہ تعلیم کے متعلق سر سید نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ:

"مسلمانوں میں کچھ تعلیمی تحریک ہوتی ہے تو ان کی سعی ہمیشہ اسی بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ وہی پرانا موروثی طریقہ تعلیم کا اور وہی ناقص سلسلہ نظامیہ درس کتب کا اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں اسی پرانے طریقہ پر مسلمانوں کے کئی مدرسے تعلیم کے لیے جون پور، علی گڑھ، سہارن پور، کان پور، دیوبند، دہلی ولاہور میں جاری کیے ہیں۔ میں نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ وہ محض بے فائدہ اور محض لغو ہیں ان سے کچھ بھی قومی فائدہ ہونے کی توقع نہیں۔"(۹)

سرسید نے قوم کی بھلائی جدید تعلیم کو حاصل کرنے میں ہی دیکھی تھی لیکن قوم اس وقت اپنے فرسودہ رسم ورواج اور فرسودہ تعلیم کو کسی بھی طرح چھوڑنے پر راضی نہ تھی۔ سرسید نے قوم کی اس حالت پر افسوس کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا تھا کہ:

"ایسے مدرسوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان ہندوستان کے ڈوبے جاتے ہیں اور کوئی ان کو نکالنے والا نہیں۔ ہائے افسوس! امرت تھوکتے ہیں اور زہر نگلتے ہیں۔ افسوس! ہاتھ پکڑنے والے کا ہاتھ جھٹک دیتے ہیں اور مگرمچھ کے منھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ مرجھائے ہوئے درخت کی جڑ میں پانی دینے کی بجائے اس کے پتوں پر پانی چھڑکتے ہیں اور سوکھے ہوئے چشموں سے نہریں کھود کر پانی لاتے کی توقع کرتے ہیں۔ پچھلا طریقہ تعلیم واقعی بہت اچھا تھا لیکن وہ تتلیاں جس ڈور سے بندھی تھیں ٹوٹ گیا اور اب دوسرا ڈور ان کے باندھنے کو ہونا چاہئے۔"(۱۰)

غرض یہ کہ سرسید قدیم تعلیم کے بجائے جدید تعلیم کی حمایت میں جی جان سے لگ گئے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جدید تعلیم ہی قوم کو اس تاریک گڑھے سے نکال سکتی ہے۔ علی گڑھ تحریک کے وجود میں آنے کا سب سے اہم سبب قوم کی پست حالت تھی۔ اُنیسویں صدی کی اس تحریک نے مری ہوئی قوم میں جان ڈالی۔ اس سے پہلے تمام تحریکیں خالص مذہبی تھیں لیکن علی گڑھ تحریک نے مذہب کے ساتھ ساتھ جدید تقاضوں کو بھی اپنایا۔ اس سے پہلے قوم مغربی علوم سے کوسوں دور بھاگتی تھی، کیوں کہ اس کے ذہن ودل پر قدیم تعلیم چھائی ہوئی تھی۔ لیکن سرسید نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اس کو اس روایتی بندھن سے آزادی دلائی۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ:

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ ایسی کتابوں سے جن میں صرف یہ بات لکھی ہو کہ فلاں سنہ میں فلاں بادشاہ ہوا اور فلاں سنہ میں مر گیا۔ انسان کے اخلاق کی درستی اور قومی تربیت ہو سکتی ہے؟ نہیں، صاحبو! ہرگز نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایک قوم کے اخلاق اور اس کی

بھلائیاں اور برائیاں تفصیل سے نہ بتائی جاویں اور طرح طرح کی تقریروں اور مباحثوں سے ان کی بھلائی برائی ظاہر نہ کی جاوے دل میں اثر نہیں ہوتا۔"(۱۱)

سرسید نے مغربی تعلیم کے فوائد کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ امرتسر کے ٹاؤن ہال میں "اتحاد باہمی" پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ: "اگر گورنمنٹ نے ہمارے حقوق اب تک ہمیں نہیں دیے ہیں تو ہائی ایجوکیشن وہ چیز ہے کہ خواہ نہ خواہ طوعاً کرہاً ہم کو دلا دے گی۔"(۱۲) جدید تعلیم کی تعریف کرتے ہوئے سرسید نے کہا کہ:

"دوستو! یہ نہ کہنا کی مجھ کو اس انگریز کے مانند جس کو صرف اموہ رنگنا آتا ہے۔ اموہ رنگ ہی آتا ہے، مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو چیز تم کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانے والی ہے وہ صرف ہائی ایجوکیشن ہے۔ جب تک ہماری قوم میں ایسے لوگ پیدا نہ ہوں گے ہم ذلیل رہیں گے اور ان سے پست رہیں گے اور عزت کو نہیں پہنچیں گے جس پر پہنچنے کو ہمارا دل چاہتا ہے۔"
(۱۳)

تعلیم کے معاشی اور سیاسی فائدے بھی ان کے پیش نظر تھے۔ کہا کرتے تھے کہ:

"وہ ملک دولت مند نہیں ہوتا جس میں دوسرے ملک کی چیزوں کی تجارت ہوتی ہے بلکہ وہ ملک دولت مند ہوتا ہے جس کی چیزوں کی تجارت دوسرے ملکوں میں ہوتی ہے۔ ہم کو چاہیے کہ دوسرے ملکوں میں آڑھ اور کمپنیاں قائم کریں اور ملک کی پیداوار اور قدرتی چیزوں سے جو زمین میں گڑی پڑی ہیں ان سے فائدہ اٹھاویں۔"(۱۴)

سرسید کے نزدیک جدید تعلیم ہی مسلمانوں کی پریشانی کا واحد علاج تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی ساری توجہ اسی طرف مبذول کر دی، لہٰذا اس کے لیے انہوں نے طرح طرح کے منصوبے بنائے۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ ملک میں ہر طرف تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں۔ اس کے سالانہ جلسوں میں مختلف علاقوں کی تعلیمی پیش رفت کا جائزہ لیا جائے، یہی نہیں بلکہ علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا قیام بھی اسی مقصد کے تحت کیا گیا۔ ان کے تعلیمی منصوبوں میں علی گڑھ اورینٹل کالج کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ کالج تھا جس کے لیے سرسید نے اپنی زندگی کو اس کی ترقی و استحکام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس کے لیے انھیں کافی محنت اور جدوجہد کرنی پڑی، لیکن وہ ہمت نہ ہارے۔

انگریزوں نے ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کی ذمہ داری اس لیے قبول کی اس سے ان کے چار بڑے مقاصد وابستہ تھے۔ اول یہ کہ جدید علوم بالخصوص فلسفہ اور سائنس وغیرہ لوگوں کے دلوں سے اپنی قدیم روایات کی بابت نفرت پیدا کر دیں گے اور بالعموم مذہب بیزاری پر منتج ہوں گے۔ دوم یہ کہ ہندوستان میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گا جو

انگریزی تہذیب و معاشرت کو اپنے لئے ایک مثالی نمونہ قرار دے گا۔ اور اس کی تقلید کرے گا۔ سوم اس سے انتظامیہ کے معمولی اور کم تنخواہ پانے والے عہدے دار پیدا ہوں گے جو انگلستان سے منگوائے جانے والے ملازموں کے مقابلے میں بہت کم تنخواہ پر کام کریں گے۔ اس کے علاوہ وہ برطانوی حکومت کی بقا کو اپنی بقا سمجھتے ہوئے سلطنت برطانیہ کے استحکام میں مصروف رہیں گے۔ چہارم یہ کہ اس سے برطانوی تہذیب اور عیسائیت کا فروغ ہو گا۔ پہلے دو مقاصد کے حصول کا طریقہ یہ تھا کہ ہندوستان کے پرانے نظام تعلیم کے نقائص بڑھا کر بیان کیے جائیں۔ اس کے نصابات پر شدید نکتہ چینی کی جائے اور ان میں بیان کیے گئے نظریات اور روایات کے متعلق احساس کمتری پیدا ہو۔ انگریز ماہرین تعلیم کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان کا پرانا نصاب تعلیم خطرناک ہے۔ اس کو پڑھ کر لوگ سلطنت برطانیہ کے وفادار نہیں بن سکتے:

> As long as the natives are left to brood over their former independence, their sole specific for improving their condition is, the immediate and total expulsion of the English. A native patriot of the old school has no notion of any-thing beyond this: his attention has never been called to any other mode of resorting the dignity and prosperity of the country. It is only by the infusion of European ideas that a new direction can be given to the national views(۱۵).

یورپی تعلیم کے حصول سے مزاج میں تغیر آجاتا ہے، لوگ اپنے ماضی سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ انگریزوں کے زیر سایہ حفاظت سے رہیں اور ویسے ہی لگیں۔ ان کے خیال میں ہندوستان کے لوگ جدید علوم کو پڑھیں گے تو قدیم نظریات کو ترک کر دیں گے۔ اسی طرح نئے علوم ان کی مذہبی کتابوں کی خامیاں بھی ان پر ظاہر کر دیں گے۔ اسی طرح جدید تعلیم کو عیسائیت کی تبلیغ و ترویج کا ایک ذریعہ بنایا گیا۔ خصوصاً مشنری اداروں میں تبلیغ اور بائبل کی تدریس پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ سرسید زمانے کے مطابق مسلمانوں میں تبدیلی کے خواہاں تھے، لیکن سرسید کے یہی خیالات و افکار ان کے اختلاف کی وجہ ثابت ہوئے۔

"اودھ پنچ" منظر عام پر آیا تو پورا ہندوستان اس وقت تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑ چکا تھا۔ یہ غلامی سیاست و اقتدار کے دائرے سے نکل کر تعلیم، تہذیب اور زندگی کے چال چلن میں مغرب کی اندھی تقلید کی صورت میں ظاہر ہو رہی تھی یہ احساس عام ہو رہا تھا کہ تہذیب جس چیز کا نام ہے اس کے وارث انگریز ہیں اور ان کے مقابلے ہر

ہندوستانی اجڈ اور وحشی ہے لہٰذا انھیں متمدن اور مہذب ہونے کے لیے مغربی تہذیب کو آنکھ بند کر کے اختیار کر لینا چاہیے۔ مجلہ اس غلامانہ ذہنیت کا دشمن تھا۔ چوں کہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم و تہذیب کے سب سے بڑے وکیل سرسید احمد خاں تھے۔ اس لیے "اودھ پنچ" سرسید اور ان کی تعلیمی تحریک کا بھی بدترین مخالف تھا اور یقیناً اس کی مخالفت میں وہ اکثر حد اعتدال سے بھی تجاوز کر جاتا تھا۔ مغربی تعلیم و تہذیب اور اس کے چرچے سے "اودھ پنچ" کو کتنی الجھن ہوتی تھی اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے کیا جاسکتا ہے۔

> "تہذیب! تہذیب! تہذیب!!! سنتے سنتے کان بہرے ہو گئے ہیں۔ جدھر دیکھو تہذیب ہی تہذیب۔ اٹھنے بیٹھنے میں تہذیب، چلنے پھرنے میں تہذیب، بگنے موتنے میں تہذیب، یا الٰہی! تہذیب کم بخت تو جان کی عذاب ہو گئی۔۔۔ ادھر انگریزی ہوئی اُدھر دنیا میں تہذیب پھیلی"(۱۶)

"اودھ پنچ" نے جدید تعلیم کے جن تاریک پہلوؤں کی نشاندہی کی، حیرت انگیز طور پر سرسید کی نگاہ ان کی طرف نہیں گئی۔ حالاں کہ سیّد محمد آزاد نے یہ خطوط ہندوستان میں بیٹھ کر لکھے تھے جب کہ سرسید نے تو مغربی تہذیب کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ "اودھ پنچ" کو سرسید سے یہی شکوہ تھا کہ وہ مشرقی ہو کر مغربی تعلیم کے پرچارک بنے ہوئے تھے۔ اور اسی لیے اس کے صفحات سرسید کی اصلاحی و مقصدی تحریک کے بخیے ادھیڑنے کے لیے وقف رہے۔ ۱۸۷۷ء سے ۱۸۹۳ء تک سرسید کے خلاف نظم و نثر میں اتنا کچھ لکھا گیا کہ انھیں یکجا کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں۔ ان مضامین میں سرسید کو کافر، کرسٹان، نیچری، فریبی دھوکا باز اور گداگر تک کہا گیا سرسید نے علی گڑھ کالج کے لیے چندہ جمع کرنے کی مہم شروع کی تو اودھ پنچ نے اس کا بھی مذاق اڑایا:

> "بھیک مانگنے کا نیچرل اور مہذب طریقہ ارے کم بختو! مجھ کو روپیہ دو! ارے نالائقو! مجھ کو دو ارے بیوقوفو! مجھ کو دو۔ ارے بے ایمانو! مجھ کو دو۔ ارے جاہلو! مجھ کو دو۔ اے کاہلو! مجھ کو دو۔ خدا کے واسطے چاہے نہ دو مگر نیچر کی خاطر تو دو"(۱۷)

منشی سجاد حسین کو سرسید سے ان کی انگریز دوستی کی وجہ سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ لہٰذا ہندی اردو تنازعے میں اردو حمایت کے معاملے کے سوا شاید ہی کوئی مسئلہ ہو جس پر انھوں نے یا ان کے اخبار نے سرسید کے کسی نقطۂ نظر سے اتفاق کیا ہو۔ یہ مخالفت اس حد تک بڑھی ہوتی تھی کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو "اودھ پنچ" نے اس پر ایک مزاحیہ آرٹیکل شائع کیا جس میں سرسید کو بھی گھسیٹ لیا اور انھیں یحییٰ ثانی قرار دیا۔ ڈاکٹر طاہر مسعود کے مطابق:

"منشی سجاد حسین سر سید اور ان کی تحریک کے کڑے ناقد تھے۔ اس مخالفت کے پیچھے بھی انگریز دشمنی کا جذبہ کار فرما تھا۔ وہ ساری زندگی مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب کا مذاق اڑاتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا اپنا اخبار بھی اسی تقلید کا نتیجہ تھا۔ "پنچ لندن" جب پہنچتا تھا تو منشی سجاد حسین اس کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور اپنے مصور رام بہادر کو اس کے کارٹونوں کے عین مطابق کارٹون بنانے کی ہدایت دیتے تھے۔ مغربی مصنفوں اور مغربی اخبار سے متاثر ہو کر انھوں نے اردو میں مغربی انداز کے طنز و مزاح کو داخل کیا۔ فرق یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ انگریزوں سے سیکھا اسے انگریزوں ہی کے خلاف استعمال کیا۔"(۱۸)

اکثر اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ "اودھ پنچ" انگریزوں اور سر سید کی تحریک پر طنز کرنے کا کوئی موقع نہیں گنواتا۔ یہاں تک کی بعض اوقات محض تنقید برائے تنقید پر ہی اتر آتا ہے۔ سر سید احمد خاں اور علی گڑھ تحریک سے "اودھ پنچ" کو جو شکایت تھی۔ اس کا ذکر "اودھ پنچ" میں سجاد حسین نے اپنی ۱۸۸۹ء کی ایک اشاعت میں "معلم الملکوت کی پیر نیچر کے نام چٹھی" کے عنوان سے یوں بیان کیا ہے:

"مائی ڈئیر سر سید: "شاید تم کو تعجب ہو گا کہ میں نے ان محبت آمیز الفاظ سے تم کو یاد کیا اور پھر ایسی ضرورت کے وقت تمہاری مدد پر آمادہ ہوتا ہوں۔ مجھ کو بے شک ملال تھا کہ تم نے باوجود میری اس درجہ حقوق اور عنایتوں کے بھی، میری رفاقت کی کچھ پرواہ نہ کی اور لارڈ ڈفرن کو ترجیح دے کر میرے خلاف بیعت کر لی۔ واقعی تمہاری ایک بہت بڑی غلطی تھی جو میرے مشن سے علیحدہ ہو کر تم معاملات ملکی کی جانب رجوع ہوئے اور یکایک تم نے دین کی رخنہ اندازی سے اپنے خیالات کو پھیر کر بالکل پولیٹیکل کر لیا"۔ (۱۹)

یہ تحریر "اودھ پنچ" کے مخصوص رنگ کی عکاس ہے۔ اس میں "اودھ پنچ" اور علی گڑھ تحریک کے جو اختلافات تھے اس کی بھی پوری طرح عکاسی ہو گئی ہے۔ سر سید احمد خان کے نظریات و افکار کو بھی "اودھ پنچ" نے طنز کا نشانہ بنایا۔ "اودھ پنچ" براہ راست سر سید کا نام لے کر بھی طنز کرنے سے باز نہیں آتا۔ سر سید احمد خان نے "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی جو مہم شروع کی تھی "اودھ پنچ" نے اُس کو بھی تضحیک کا نشانہ بنایا لکھتا ہے:

"ہمارے سرسید گلے میں جھولی ڈال چیلوں کو ساتھ لے کر دکن کی طرف گداگری کے واسطے نکلنے والے ہیں۔ خدا اس فقیر کی جھولی کو طرح طرح کے ٹکڑوں سے بھرا پُرا واپس لائے سچ ہے[۲۰]

سرسید احمد خان کے نظریات وخیالات اور علی گڑھ تحریک کی بھرپور مخالفت کے علاوہ انگریزوں کی تضحیک کا بھی کوئی موقع "اودھ پنچ" نے اپنے ہاتھ سے نہیں گنوایا۔ وہ ہنسی مذاق اور لطیفے بیان کرتے ہوئے ایسی گہری طنز کرتا کہ قاری پر ان کی اصلیت ظاہر ہوئے بغیر نہ رہتی۔

مجلہ نے سرسید اور علی گڑھ تحریک کو طنز و تمسخر کا نشانہ بنایا اور آزادئ نسواں کی سخت مخالفت کرتے ہوئے ایسے حضرات کی طنز و تضحیک کی ہے جو اس کے بڑے طرف دار تھے جب سرسید احمد خان مسلمانوں کی سیاسی سماجی اور مذہبی اصلاح کے لیے قدم اٹھایا تو منشی سجاد حسین اودھ پنچ کے ذریعے اس کی مخالفت کی۔ ایک ہندوستانی کے ہی ہاتھوں ہندوستانی تہذیب کے نشانات مٹتے اور مغربی تہذیب کا چراغ جلتے دیکھ کر انھیں ضبط نہ ہو سکا۔ چنانچہ سرسید احمد خاں کی ذات کو لے کر استہزاء اور طنز و تضحیک کے ایسے وار چھوڑتے جن میں ان کی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی۔ انھوں نے سرسید کو سرنیچر کا خطاب دے کر علی گڑھ کو ایک لادینی ادارہ اور مغربی تہذیب و تمدن کی اشاعت کا مرکز بنا کر طنز و تمسخر کا نشانہ بنایا۔ تحریک سرسید پر لکھے ہوئے ان کے مضامین علی گڑھ کالج" علی گڑھ کی شہرت "علی غذا طیوط غذط، سید صاحب کے واسطے ضروری کام، چھیڑ سید سے چلی جائے اسد" قابل ذکر ہیں۔ سرسید کی تعلیمی کانگریس پر اس طرح طنز کرتے ہیں:

"سرسید کی تعلیمی کانگریس کے اس قدر اجلاسوں کا نتیجہ اس طرح غائب ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اس پر طرّہ یہ کہ اب اس بیچاری کا کہیں تھل بٹیرہ نہیں لگتا۔ دھوبی کے کتّے کی طرح گھر کا نہ گھاٹ کا۔ پٹنے والوں نے دور سے دھتا بتائی اب بمصداق دست شکستہ وبال گردن یہ بھی علی گڑھ کے گلے میں لٹکائی جائیگی اگر کوئی دوسرا غیرت مند ہوتا تو ایسے فضول ڈھکوسلے کو کب کا خیر باد کہہ چکا ہوتا۔"[۲۱]

انھوں نے آزادئ نسواں اور تعلیم نسواں کی بھی سخت مخالفت کی۔ مغربی اثرات سے خواتین میں انگریزی تعلیم اور بے پردگی کا جو دور دورہ شروع ہو گیا تھا اس سے وہ ہمیشہ نالاں رہے اور اس کی ذمہ داری انھوں نے ان مصلحین کے سر تھوپی جو تعلیم نسواں اور بے پردگی کی حمایت میں اصلاح کے نعرے لگا رہے تھے چنانچہ انھوں نے اپنے اکثر مضامین میں خواتین سے زیادہ ان حضرات کو طنز و تضحیک کا نشانہ بنایا ہے جو اس کے بڑے الم بردار تھے۔ ایک مضمون "سہل لٹکہ" میں لکھتے ہیں:

"آج کل بعض خواہ مخواہ کے روشن خیال گروہ میں اس بات کی سخت کوشش ہو رہی ہے کہ جس طرح ہو عورتوں کا پردہ اٹھا دیا جائے ساری برکتیں اسی میں مخفی ہیں اور مسلمانوں کی یہ ردی حالت اسی بدولت پہنچی ہوئی ہے۔ بی صاحب نے پردہ اٹھایا چہرۂ بے نقاب کا جلوہ دکھایا اور دنیا کی بہبود اور ترقی گداگد آسمان سے گرنا شروع ہو گئی۔"(۲۲)

ایک اور مضمون میں مصلحین کو عورتوں کی بے پردگی کے نتائج سے اس طرح آگاہ کرتے ہیں:

"جب ناچنے نکلے تو گھونگھٹ کا ہے کا۔ پردے سے نکلے ہیں تو پھر گھر میں بند ہونے کو ۔۔۔ کیا اب بھی ہم محروم رہیں۔ جس طرح سن تین شاہ ایڈورڈ کی تخت نشینی کے واسطے یاد رہے گا اسی طرح ہندوستانی عورتوں کے پردے سے باہر نکلنے پر بھی مشہور رہے گا"(۲۳)

انھوں نے معاشرے کی عام خرابیوں اور نقائص کو بھی اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے سرسید نے لوگوں کو تعلیم جدید کی طرف راغب کیا تھا۔ اس کے نتائج یورپ کی حد تک ان کے سامنے تھے' اس لیے انہیں خوف تھا کہ ہندوستان کے مسلمان بھی لامذہب ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے قرآن کو عقل اور فطرت کے معیار کے مطابق بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی تاکہ جدید تعلیم کے حصول کے باوجود لوگ مسلمان ہی رہیں۔ اس لیے انہوں نے قرآن کی وہ تمام چیزیں جو خلاف معمول تھیں' معمولی اور عام فہم بنا کر پیش کیں۔ ان کی کوشش اس لحاظ سے قابل تحسین ہے کہ ان کا مقصد نیک تھا مگر اس کی بنیاد غلط تھی۔ تعلیم نسواں پر آزادؔ نے اپنی "نئی ڈکشنری" میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ بحث طلب اور اختلافی ہے لیکن بہر حال ان کی اور اس دور کے کئی لوگوں کی ذہنیت اور تعلیم نسواں پر ان کے خیالات کا مظہر ضرور ہے۔ لکھتے ہیں:

"فیمیل ایڈوکیشن (تعلیم نسواں): عام جلسوں میں اپنی بہو بیٹیوں کو لے جانا، اپنی میم کا ناچنے کے جلسے میں ایک وقت کے لیے دوسرے کی میم سے مبادلہ کرنا، کمزور لڑکیوں کو تھوڑا تھوڑا پوٹ پلانا، مس بابا لوگوں کو ہوا کھلانا، کالی میموں کو انگریزوں کی ملاقات کے لیے جبر اَو قہر اَلے جانا اور اگر وہ وہاں جا کر شرمائیں تو جوش تہذیب سے گھونگھٹ کھول دینا۔"(۲۴)

جدید تعلیم پر "اودھ پنچ" کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس نے یہاں کے لوگوں کے اذہان تبدیل کر دیے ہیں۔ اور مغربی تہذیب کو باعث فخر بنا دیا ہے۔ اس تعلیم کے نتیجے میں کچھ لوگ انگریزی تعلیم و تہذیب اور معاشرت کے زبردست حامی بن گئے۔ انگریزوں کی طرح رہنے اور انگریزی بولنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ ورڈزور،

شکسپیئر اور یورپ کے شعر پڑھتے تھے اور یورپی فلسفیوں کے اقوال کے حوالے دیتے تھے۔ وہ قدیم تعلیم یافتہ لوگوں کو ان پڑھ سمجھنے لگے تھے۔ "اودھ پنچ" میں راقم نے سرسید کے اس بیان پر مزاحمت کی:

"انگریز ہندوستانیوں کو بالکل جانور سمجھتے ہیں اور نہایت حقیر جانتے ہیں، ہماری غلطی تھی۔ وہ ہم کو سمجھتے ہی نہیں تھے بلکہ درحقیقت ہم ایسے ہی ہیں۔"(۲۵)

ایک اور جگہ اودھ پنچ میں جدید تعلیم پر رقم طراز کیا ہے:

" تازہ ولایت صاحبزادے۔ ہائی ایجوکیشن پایا۔ کیسا بات البست ہائی سوسائٹی میں سوار کیا۔ جنٹلمین ہمکو گریٹ پوٹنٹیٹ کا سن سمجھتا تھا۔ ہائی سویلنبریشن ہے وہاں۔(۲۶)" مکتبوں اسکولوں کے لونڈوں کو تو دین و دنیا میں کہیں کا نہ رکھیں گی۔"(۲۷) گویا اس تعلیم کا مقصد خاص حالات میں کام کرنے والے خواندہ افراد پیدا کرنا تھا۔ لائق، باہنر اور ذہین افراد پیدا کرنا نہ تھا۔ ہندوستان میں انگریزی تعلیم زیادہ تر آرٹس کے مضامین تک محدود رہی۔ سائنسی اور سائنسی ترقیات کے متعلق جدید خطوط پر تعلیم دینا انگریزوں کا منشا ہی نہیں تھا۔

"یہ بات ہماری آپ کی سمجھ میں نہ آئے نہ سہی مگر اس گر کو امریکہ کی عورتوں نے پالیا۔ بس اسی وجہ سے تو انھوں نے جتھا کر کے حال مین سوسائٹی قائم کی ہے کہ نوجوان عورتیں بیاہ سے روکی جائیں۔ چلئے صاحب جب عورتوں کی طرف سے اس طرح کھینچ تان ہوگی تو آخر مرد صاحب کیا کریں گے۔"(۲۸)

اودھ پنچ نے اس وقت کے تہذیبی افکار کی خوب مزاحمت کی۔ "عورتیں جب تک پردے سے نہ نکلیں گی ہم کسی طرح مہذب نہیں ہوسکتے گویا ان کے پاس مہذب بن جانے کا ڈپلومہ آگیا ہے اور تہذیب کا سرٹیفکیٹ بغل میں"(۲۹) مغربی تعلیم و تربیت کا سکہ پوری طرح رائج ہو چکا تھا۔ اس کے اثرات زبان اور ادب پر بھی بہ خوبی ہو رہے تھے اور مشرقی تصورات کی اہمیت کم ہو رہی تھی۔ اودھ پنچ نے مغرب کو اپنے مطاعن کا ہدف بنا کر تمام مشرق کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا ہے۔ راقم لکھتے ہیں کہ:

" آپ نے تو بیڑا اٹھالیا ہے کہ اردو شاعری کا ستیاناس پورے طور سے کیا جائے اور کوئی وجہ نہیں صرف آپ کے مقتضائے طبعیت ہے۔ مگر واللہ اردو اشعار کو انگریزی جامہ پہنانا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عزارہ دار پائجامہ پر پتلون پہن لیا مگر یہ نہ سمجھے کہ آپ ہی اس رنگ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اسی طرح گل نظم میں خرفات کا انبار لگا ہوا ہے۔ اردو شاعری کی گردن کند چھری سے رہتی ہے۔ واقعی افسوس کا مقام ہے۔"(۳۰)

اودھ پنچ کو مولانا حالی سے دو شکایتیں تھیں۔ پہلا اعتراض تو یہ تھا کہ مولانا حالی کا شاعری کا مفہوم غلط ہے جس کو وہ شاعری سمجھتے ہیں وہ محض قافیہ پیمائی ہے اور فطری شاعری کی لطافت و رنگینی سے خالی ہے اور اختلاف کی دوسری وجہ ان کا اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا بے تکا استعمال ہے۔ اگر نفس مضمون کو دیکھیں تو ماننا پڑے گا کہ اودھ پنچ کی شکایت بے بنیاد نہیں تھی۔ ہندوستان کے بہت سے لوگ سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں کہ اگر ہندوستان برطانیہ کے ماتحت نہ آتا تو ہم تعلیمی، صنعتی، انتظامی اور تہذیبی اعتبار سے پس ماندہ ہوتے۔ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں خدا جانے یہ تصور کیوں جاگزیں ہو گیا ہے کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان میں نہ صرف امن وامان پیدا کیا بلکہ یہاں کے لوگوں کی خوش حالی کے لیے جدید ذرائع آمد ورفت اور رسل ورسائل پیدا کئے۔ عدالت اور پولیس کا نظام رائج کر کے سابقہ لاقانونیت کو ختم کیا۔ جدید سائنسی علوم کی تعلیم لوگوں کو دی۔ نہروں اور ریلوں کا جال بچھا دیا۔ جس سے پیداوار میں اضافہ اور نقل وحمل میں سہولتیں پیدا ہوئیں وغیرہ۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ برطانوی حکومت نے نسل بعد نسل یہ باتیں نصابی کتابوں کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کر دی تھیں۔ یہ پروپیگنڈا ہمیں اس بری طرح سے متاثر کر گیا کہ ہم انگریزوں سے قبل کی حکومتوں کو بدانتظام، وحشی اور ظالم سمجھنے لگے۔ "اودھ پنچ" میں جب برطانوی ظلم وجور، لوٹ کھسوٹ اور سازشوں سے متعلق حقائق کی نقاب کشائی کرتے ہیں تو لوگ انہیں نفسیاتی کوتاہیوں کا شاخسانہ قرار دینے لگتے ہیں۔

" سب صورت تہذیب فقط دم کی کسر ہے " مضمون میں راقم کہتا ہے " آج کل تہذیب و شائستگی سے ہندوستان کے سر پر شائستگی کا ایسا دھوندو کارا چھایا ہوا ہے کہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر بھی شدید کوئی ابر آتا جاتا ہو گا۔"(۳۱)

"رنگ میں بھنگ یا بلم پتر کی تان میں گنگری" میں ارقام ہے کہ:

> "انقلاب زمانہ سے واجد علی شاہ کی رہس منزل کی سارا۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی کی جگہ کیننگ کالج علوم مغربی کی تعلیم کو قائم ہو تو اس کے لوازم ناچ گانے رنڈی بھڑووں کے جلسہ کو۔ ۔۔ تو اس کو تہذیب کیوں نہ خفگی سے دیکھے۔"(۳۲)

" اودھ پنچ" کے نزدیک تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو انسانوں کو تہذیب، دیانت اور شرافت سکھائے انہیں روحانی ترقی اور اطمینان قلب بخشے مگر تعلیم قوموں اور انسانوں کو گروہوں میں بانٹ دے، مختلف طبقات میں منافرت پیدا کرے اور محض مادی مفادات کے حصول کی طرف مائل کرے وہ قابل ترویج نہیں ہے اور اس سے عالم انسانیت کی تذلیل نہیں کی جانی چاہیے۔ مغربی تعلیم ہمارے نوجوانوں کو اپنی تہذیب، تاریخ، مذہب، قوم اور ذہنی سرمائے سے غافل کر رہی ہے۔ ہم یورپ کی ہر بات کو صحیح اور ایشیاء کی ہر بات کو غلط سمجھتے ہیں۔ مگر جدید تعلیم کے اثرات کچھ اس

شکل میں نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس پر اکثر طنز و مزاح کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں ایک مضمون میں مصنف بیان کرتے ہیں کہ کانفرنس میں ایک خاتون تقریر کرتے ہوئے یوں فرماتی ہیں:

"تمہارے ابرو کے ایک اشارے سے ہزاروں تلواریں میدانوں میں نکل پڑیں گی۔ تم غنچہ و ہنو نکی مسکراہٹ ایک طرف اور محسن الملک کی ہزار اعجاز بیانی دوسری طرف۔ تم اگر زبان ہلاو تو ایک کروڑ روپیہ کا جمع کرنا کیا ہے۔ کروڑ یونیورسٹیاں بنوا سکتی ہو (یہ الفاظ مس بلقیس کے منھ سے ابھی پورے نہیں نکلے تھے کہ آغا خان نے ایک کروڑ روپیہ کے نوٹ بلقیس کے سامنے رکھوا دیے۔"(۳۳)

علمی ترقی کے نام پر انگریزوں کے اس منصوبے میں بہت سے محب وطن اور ملک و قوم کے خیر خواہ بھی مجبوراً شریک ہو گئے مگر بد قسمتی سے انہوں نے اپنی قوم اور ملک کی ہر چیز کو انگریزوں اور انگلستان کی ہر چیز سے کمتر ثابت کر کے لوگوں میں شدید احساس کمتری پیدا کیا۔ انہوں نے ملکی زبانوں میں تعلیم دینے کی مخالفت کی اور اس طرح ایسے طلبہ کی کھیپ تیار کرنے میں مدد دی جو بقول میکالے:

" خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، اخلاق اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔"(۳۴)" نیچرل ترقیوں کی تشریح" میں مصنف علمی ترقی کے بارے میں رقم طراز ہے کہ:" علمی ترقی یہ ہے کہ کچھ انگریزی و نگریزی پڑھ کر فکر کریں۔ موچھوں پر تاؤ کریں۔ اپنے وجود کے سامنے سارے مخلوق خدا کو نرا وحشی اور جنگلی بتلائیں۔ متقدین و متاخرین پر منھ آیا کریں اور ہمدردی کا دعوی کریں۔ زبانی اصلاح قوم میں رہیں۔"(۳۵)غرض اب جو دور شروع ہوا اسے دور اصلاحات کہنا چاہئے۔ بظاہر یہ اصلاحات ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے تھیں مگر در حقیقت ان کا مقصد انگریزی حکومت کے قدم ملک میں مضبوطی سے جمانا تھا۔ انگریزی تعلیم پر منشی سجاد حسین " حاجی بغلول" میں طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

" آپ اپنا نام انگریزی میں مسٹر ایبر باگلل اسکوائر دستخط فرمایا کرتے تھے مگر قد غن رہتا تھا کہ اردو میں شائع نہ ہونے پائے۔ کیا سبب۔ اُردو والوں کے تلفظ کی غلطی و تجسیس خطی سے خوف رہتا تھا کہیں خدانخواستہ پاگل نہ مشہور ہو جائیں۔"(۳۶)

جدید تعلیم یافتہ افراد میں سے بیشتر مسلمان علی گڑھ کالج سے تعلیم حاصل کر کے نکلے تھے۔ اس لیے " اودھ پنچ" کی تنقید کا نشانہ علی گڑھ کالج بنا اور چوں کہ علی گڑھ کالج سر سید احمد خاں کا کارنامہ تھا اس لیے سر سید احمد خاں بھی اکثر ہی اودھ پنچ کے طنز کا نشانہ ہوتے تھے۔ جدید تعلیم پر مزید تنقید کرتے ہوئے ارقام کرتے ہیں کہ:

" ایک کتاب ہو تو نام بتاوں۔ یہ دیکھیں ڈیڑھ درجن کتابیں تو یہ موجود ہیں۔۔۔ یہ وہ مشرقی تعلیم نہیں ہے کہ چار برس میں کریما پڑی اور وہ یہی مثل طوطے کی معنی طلب ندارد شند ان لغت گرفتار کر دارٹ لیا اور جونپور کے قاضی ہو گئے ابتو اگر مڈل پاس نہ ہو تو کوئی حجامت بھی نہ بنوائے۔ "(۳۷)

" ارے صاحب یہ انگریزی وہ بلا کا علم ہے کہ جس کی تعلیم سے بہت سے لوہار۔ کمہار۔ نائی۔ باری فضل باری سے ایم اے بی اے۔ اے اس اس جی ال اور خدا جانے کون کون سی ڈگریاں پاس کر کے اس زمانہ میں اجلاسوں پر بیٹھے ہیں۔ "(۳۸)

طنز نگاروں کی طرف سے انگریزی تہذیب و معاشرت پر اس انداز سے طنز کیا جاتا تھا کہ ان کا مضحک پہلو نمایاں ہو کر سامنے آجاتا تھا۔ یہ طنز و مزاح کے اعلیٰ نمونے کیے جاسکتے ہیں:

" سر شستہ تعلیم والوں کو ہوشیار ہونا چاہیے کہ ان قواعد بدل گئے زنانہ اسکول کی جگہ انھیں شی اسکول کیسا ہو گا۔ مگر ساتھ ہی میل اسکول فیمیل اسکول کہنے کا مضائقہ نہ ہو گا۔ کیونکہ فیمیل کافی دور کرنے سے میل بنتا ہے ۔ اسلیے میل ہی فیمیل کا ماتحت رہا"(۳۹)

سر سید جب انگلستان (کیمبرج یونی ورسٹی) گئے تو انہوں نے وہاں کے تعلیمی ماحول سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان میں ابھی اسی طرز کا تعلیمی ادارہ قائم کریں گے وہ ان کی تضحیک کا باعث بنا۔ مصنف ار قام کرتا ہے کہ: "سید مغربی فرماتے ہیں کہ ہم اپنے کالج کو آکسفورڈ اور کیمبرج کر کے رہیں گے ۔ آکسفورڈ اور کیمبرج تو جبی ہو کہ قوم میں سلطنت ہو۔ دولت ہو"(۴۰)

" مگر سید صاحب کا ارشاد ہی ایک طرح سے حق بجانب ہے کیا وجہ کہ قوم کے حال پر روتے روتے اب تو آپ کی وہی کیفیت ہو گئی ہے جو اُس بھوکے ملازم کی تھی جو ایک جگہ نوکری کرنے گیا۔ مالک نے ایک انگلی اُٹھائی (کہ خدا ایک یا دو) نوکر سمجھا کہتے ہیں ایک روٹی ملا کرے گی۔ اس نے دو انگلیاں اُٹھائیں کہ ایک نہیں دو۔ آپ کو تو ہر فرد مے کی تصویر میں قوم نظر آتی ہے اور ہر سچ میں اپنی سعی جلوہ دکھاتی "(۴۱)

" اودھ پنچ" اور اس کے طنز نگاروں نے مغربی تہذیب اور اس کی چمک دمک کے کھوکھلے پن کو عیاں کرنے کے لیے طنز مزاح کے پردے میں مزاحمت کی۔ " ہمارا مقصد تہذیب نسواں ہے اور اس کے لیے سب سے مناسب طریقہ ہماری سمجھ میں ہی آیا تھا کہ ہندوستان کی پری جمال خاتونوں کو پردے سے باہر نکالا جائے اور خدا کی عطا کردہ

لذایذ سے متمع ہونے کا اولین موقع دیا جائے "[۴۲] اس قسم کی تلخ، ترش، اور طنزیہ تحریروں میں بھی درپردہ اشارہ سرسید کی مصلحانہ کوششوں کی جانب ہوتا اور مقصد ان کی مذمت ہی ہوتی تھی۔ "اودھ پنچ" انگریزی تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے سرسید کے نظریات کی شدید مخالفت کر رہا تھا۔ اسی وجہ سے سرسید پر ذاتی حملے بھی کیے جاتے رہے۔ مصنف کہتا ہے کہ: "معلوم ہوتا ہے نیچر نے ہمارے شہر کو مردہ تصور کر لیا ہے "[۴۳] انگریزی تہذیب اور ہندوستانی تہذیب میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی تہذیب اور روایات کبھی نہ ملنے والی دو لکیروں کی مانند ہیں۔ اس لیے مسلمان انگریزی تہذیب کی وجہ سے انگریزی میں تعلیم حاصل کرنے پر بھی آمادہ نہ تھے۔ راقم لکھتا ہے کہ:

> "مگر ہائے دنیا کسی طرح نہیں سیکھتی۔ کسی طرح دنیا کا حال نہیں کٹتا۔ علاوہ اسکے انگریزی عملداری ہو جانے سے اس بات کو لوگ بالکل بھول ہی گئے۔ انگریزی حکومت ۔ انگریزی تہذیب۔ انگریزی تعلیم نے اسکو اور بھی مٹا دیا۔ انگریز لوگ ظاہری ترقی کے دلدادہ ہیں۔ "[۴۴]

انگریزی تعلیم میں سب سے زیادہ مخالفت عورتوں کی جدید تعلیم پر کی گئی۔ اُن کی آزادی پر شور برپا کیا گیا۔ مصنف نے اپنے مزاحمتی جذبات و احساسات مضمون "زنانہ ترقی "میں یوں رقم طراز کیے۔ "یہ اب ہندوستان کی ترقی میں بال برابر کسر نہ رہے گی۔ ترقی اور تہذیب کا سلامتی سے وہ طوفان امڈا ہے کہ سارا ملک عنقریب شرابور لتپت بلکہ مستغرق ہوتا نظر آتا ہے "[۴۵] سرسید نے انگریزی تہذیب کی وجہ سے وہاں کے اخبارات سے متاثر ہو کر مسلمانوں کی تہذیبی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے اسی قسم کے اخبار ہندوستان میں نکالنے کا فیصلہ کیا۔ "رسالہ تہذیب الاخلاق" کا اجراء اسی ارادے کی تکمیل تھا۔ "اودھ پنچ" کے مضمون "ناقص تعلیم کی مکمل رپورٹ "میں مصنف طنزاً تعلیم کی دو اقسام بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی "تہذیب الاخلاق "رسالہ پر بھی طنز کرتا ہے۔

> "تعلیم کا لفظ دو معنوں میں بولا جاتا ہے ایک وہ تعلیم ہے حسن خیر حلقوں میں نشاط انگیز طریقے سے بعض خاص آلات موسیقی کے ساتھ کسی بلند مقام پر دی جاتی ہے اس کی رپورٹ اکثر صحبت عیش و نشاط میں 'خدا سلامت رکھے' کے ساتھ شروع کی جاتی ہے اور 'کہروا' کے ولولہ انگیز فقروں تمام ہو جاتی ہے۔ اس تعلیم کو تو نہیں مگر جن کو تہذیب اخلاق کا دعوٰی ہے مخرب اخلاق بتاتے ہیں۔ لہٰذا مختصر طور پر اس روح افزا تعلیم ریاضی کی رپورٹ دو لفظوں میں بند کی جاسکتی ہے' تخزیب اخلاق "[۴۶]

"جدید تعلیم کی نسبت کو کثرت اشاعت پر کتنا ہی مسرت زا غل اور حوصلہ افزا شور کیوں نہ مچایا جاتا ہو مگر یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ وہ کامل ہے "(۴۷)" اودھ پنچ "کا حلقہ احباب انگریز کو اپنا مکمل دشمن سمجھتے تھے۔ اور انگریزی تعلیم سیکھنا اپنے مذہب کے خلاف تصور کرتے تھے۔ غرض اس جدید تعلیم پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس نے لوگوں کے اذہان تبدیل کر دیے ہیں۔ لوگ سپنسر، مل، ڈارون، بکسلے وغیرہ کے مطالعے سے جدید فلسفیانہ نظریات سے کچھ نہ کچھ واقف ہو گئے تھے۔ انگریزوں نے چوں کہ انہی جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو تقرب سے نوازا تھا اور ان کے لیے نوکریوں کا بندوبست کیا تھا اس لیے ایک غریب اور مفلوک الحال معاشرے میں ان کے رعب کا قائم ہو جانا ضروری تھا۔ ان لوگوں نے ایسے فلسفے پڑھے جو نفع پرستی کی طرف لے جاتے تھے۔ قوم یا جماعت کی بجائے انفرادیت پر زور دیتے تھے۔ اس لیے ان کو پڑھ کر لوگ اپنے مقام اور ذات کو بلندی پر جانے کی کوششوں میں مشغول ہو گئے اور قومی مفاد کو پس پشت ڈال دیا۔ چوں کہ ان تازہ واردان کو معاشرے میں انگریزوں نے مرتبہ دلوایا تھا اس لیے وہ انگریزی تعلیم و تہذیب اور معاشرے کے زبردست حامی بن گئے انگریزوں کی طرح رہتے تھے اور انگریزی بولنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ ورڈزورتھ، شیکسپیئر اور پوپ کے شعر پڑھتے تھے اور یورپی فلسفیوں کے اقوال کے حوالے دیتے تھے۔ وہ قدیم تعلیم یافتہ لوگوں کو ان پڑھ سمجھتے تھے۔ اپنے آباواجداد سے باغی تھے۔

محولہ بالا تمام نثر نگاروں نے اپنے جذبہ و احساس سود وزیاں سے بے پروا ہو کر عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ ان مضامین میں بے چینی اور معاشرتی بے اطمینانی کے خلاف احتجاج طنز و مزاح سے ظاہر ہوتا ہے۔ اپنی تمام تر شعوری صلاحیتیں معاشرے کے سدھار اور ناروا رویوں کے خلاف شدید ردعمل میں صرف کیں۔ انھوں معاشرے کی بے راہ روی دیکھ کر دوسرے مصلحت پسند لوگوں کی طرح خاموشی اختیار نہیں کی۔ بلکہ اودھ پنچ نے اپنی دور کی منظوم تاریخ اس انداز میں رقم کی جو آج بھی اہمیت رکھتی ہے اور تاحیات مزاحمتی ادب تخلیق کر کے انصاف کی مشعل جلا کر سامراجی و آمرانہ قوتوں کا جواب دیا۔

حوالہ جات

۱۔ احمد دہلوی، مولوی سید، فرہنگ آصفیہ (جلد چہارم)، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۲۳۶

۲۔ فیروزالدین، مولوی، فیروزاللغات، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۴۲۳

۳۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۳۴۴

۴۔ بشیر احمد صدیقی، پروفیسر، جواہر اللغات، کتابستان پبلی کیشنز کمپنی، لاہور

۵۔ وارث سرہندی، قاموس مترادفات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۹۸

۶۔ Merriam-webster Inc. webster's New Dictionary of synonyms, publishers springfield, U.S.A

۷۔ The Advanced Learner's Dictionary of cunent English , London .

۸۔ روف پاریکھ، ڈاکٹر، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص۱۳۸

۹۔ قدسیہ خاتون، سر سید کی ادبی خدمات اور ہندستانی نشاۃ ثانیہ، کتابستان، الہ آباد، ۱۹۸۱ء، ص۷۷

۱۰۔ https://www.rekhta.org/ebooks/sir-syed-ke-mazhabi-taleemi-aur-siyasi-afkar-ek-tanqeedi-jaeza-ebooks?lang=ur

۱۱۔ خلیق احمد، نظامی، سر سید اور علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ، ۱۹۸۲ء، ص۱۷۶

۱۲۔ ایضاً، ص۱۴۹

۱۳۔ ایضاً، ص۱۸۹

۱۴۔ الحسن نقوی، نور، سر سید اور ہندوستانی مسلمان، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۹ء، ص۱۰۹

۱۵۔ Trevelyas on the Education of people of India , p. 169

۱۶۔ اودھ پنچ، ستمبر ۱۸۸۲ء

۱۷۔ ایضاً، جولائی ۱۸۸۲ء

۱۸۔ طاہر مسعود، ڈاکٹر، اردو صحافت انیسویں صدی میں، دہلی، ایجوکیشنل پبلی کیشنز ہاوس، ص۱۷۱

۱۹۔ اودھ پنچ، نومبر ۱۸۸۳ء

۲۰۔ ایضاً، جولائی ۱۸۸۴ء

۲۱۔ ایضاً، دسمبر ۱۸۸۱ء

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً، اپریل ۱۸۸۷ء

۲۴۔ ایضاً، اگست ۱۸۹۰ء

۲۵۔ ایضاً، مئی ۱۸۹۰ء

۲۶۔ ایضاً، فروری ۱۸۹۱ء

۲۷۔ ایضاً، جون ۱۹۰۳ء

۲۸۔ ایضاً، جنوری ۱۹۰۳ء

۲۹۔ ایضاً، جولائی ۱۹۰۳ء

۳۰۔ ایضاً، مارچ ۱۹۰۳ء

۳۱۔ ایضاً، ستمبر ۱۹۰۳ء

۳۲۔ ایضاً، اکتوبر ۱۹۰۳ء

۳۳۔ ایضاً، ستمبر ۱۹۰۳ء

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ایضاً، دسمبر ۱۹۰۳ء

۳۶۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، اکبر الہٰ آبادی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۹۳۔

۳۷۔ ایضاً، فروری ۱۹۰۲ء

۳۸۔ ایضاً، مارچ ۱۸۹۶ء

۳۹۔ ایضاً، اپریل ۱۸۹۶ء

۴۰۔ ایضاً، اگست ۱۸۹۶ء

۴۱۔ ایضاً، مارچ ۱۸۹۸ء

۴۲۔ ایضاً، اکتوبر ۱۸۹۸ء

۴۳۔ ایضاً، جولائی ۱۸۹۶ء

۴۴۔ ایضاً، ستمبر ۱۸۹۶ء

۴۵۔ ایضاً، اکتوبر ۱۸۹۸ءَ

۴۶۔ ایضاً، مارچ، ۱۸۹۷ء

۴۷۔ ایضاً

References in Roman Script:

1. Ahmad Dehlivi , molvi syed, farhung e asifa (jiled 4) , Lahore , 1977, Page 236
2. Farooz o deen , molvi , ferooz ul gayt , ferooz sons, Lahore , 1978 , Page 223
3. Waris sir hindi , ilmi urdu lugat, ilmi kutab khana, Lahore, 1990, Page 323
4. Basire ahmad saddiuqe , prof , juhar ul lught, kitbistan, Lahore , 1998, Page 67
5. Waris sir hindi , qamus mutradaft, urdu science broad, Lahore , 1986 , Page 98
6. Merriam – webster inc. webster's new dictionary of synonyms , publisgers , springfield , USA
7. The advanced learner's dictionary of cunent English . London .
8. Rauf pareeq , dr , urdu naser mein maza nigeri ka saysi aur samaji pas manzer, injuman taraqi urdu, karachi, 1996, Page 138
9. Qudseeya katoon, sir syed ki adbi khidmat aur Hindustani nisat e sania, kitabistan, ala abad ,1981, Page 77
10. https://www.rekhta.org/ebooks/sir-syed-ke-mazhabi-taleemi-aur-siyasi-afkar-ek-tanqeedi-jaeza-ebooks?lang=ur

11. kaleeq anjum , nazami , sir syed aur ali gahar , educational book house, ali gahar, 1986, Page 176
12. Ibid, Page 149
13. Ibid, Page 189
14. alhasan ahmad , nazami , sir syed aur Hindustani muslim, educational book house, ali gahar,1979 , Page 109
15. trevelyas on the educational of people of india , Page 169
16. awad punch, September 1882
17. Ibid, July 1886
18. Tahira masood , dr , urdu sahafat unisvin sadi mein, educational publishation house, dehli, Page 171
19. Awad punch, September 1886
20. Ibid, July 1884
21. Ibid, December 1881
22. Ibid
23. Ibid, April 1887
24. Ibid, August 1890
25. Ibid, May 1890
26. Ibid, Feb 1891
27. Ibid, June 1903
28. Ibid, Jun 1903
29. Ibid, July 1903
30. Ibid, March 1903
31. Ibid, September 1903
32. Ibid, October 1903
33. Ibid, September 1903
34. Ibid
35. Ibid, December 1903
36. Zikriya, dr muhamad khuwaja , akber ala abadi , Lahore , sang e mil publisher , 2003 ,p 193
37. Ibid, Feb 1906
38. Ibid, March 1896
39. Ibid, April 1896
40. Ibid, August 1896
41. Ibid, March 1898
42. Ibid, Oct 1898
43. Ibid, July 1896
44. Ibid, Sep 1896
45. Ibid, Oct 1896
46. Ibid, March 1897
47. Ibid